تبصرہ و تجاویز

بر

PROPOSAL FOR A NEW EDUCHTIONAL POLICY OF CENTRAL GOVERNMENT

(مرکزی حکومت کی نئی تعلیمی پالیسی کی تجاویز)

منجانب

تعلیمی کمیٹی علماء اہل السنۃ والجماعۃ مغربی پاکستان

منعقدہ مورخہ ۲۰؍جولائی ۱۹۶۹ء لاہور

مرکزی حکومت کی نئی تعلیمی پالیسی کی تجاویز شائع ہونے پر علماء اہل السنت والجماعت مغربی پاکستان کا پہلا اجلاس مورخہ ۱۳؍جولائی ۱۹۶۹ء بمقام جامعہ رضویہ مظہر الاسلام لائلپور ۹ بجے صبح منعقد ہوا جس میں مغربی پاکستان کے مدارس دینیہ کے تقریباً دو صد نمائندے اور سربرآوردہ علماء اہل السنت والجماعت شریک ہوئے۔ اجلاس دو بجے تک جاری رہا۔ نئی تعلیمی پالیسی پر حاضرین نے تقاریر میں اپنا نقطہ نگاہ پیش کیا۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد

جائزہ کمیٹی قائم کی گئی جسکا دوسرا اجلاس مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۶۹ء کو ۹ بجے صبح بمقام جامعہ نعمانیہ لاہور منعقد ہوا۔ حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب قادری شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف پاکستان لاہور نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ مغربی پاکستان کے اطراف واکناف سے دینی مدارس نے اپنی تجاویز بھیجیں جنہیں زیر بحث لایا گیا اور تعلیمی کمیٹی نے تنقید و تبصرہ کے نکات مرتب کیے اور رپورٹ کے مسودہ کو آخری شکل دینے کے لیے ایک سات رکنی سب کمیٹی قائم کی گئی۔ اس سب کمیٹی نے مندرجہ ذیل تجاویز بشکل تنقید و تبصرہ وزارت تعلیم مرکزی حکومت اسلام آباد کو ارسال کی ہیں۔

جائزہ کمیٹی کے ارکان حسب ذیل ہیں:

۱ - حضرت علامہ الحاج ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور۔

۲ - حضرت علامہ محمد عبدالغفور صاحب ہزاروی شیخ القرآن جامعہ غوثیہ نظامیہ وزیرآباد

۳ - حضرت علامہ عبدالستار خاں صاحب نیازی ایم۔اے۔ سابق ایم پی اے (سابق صدر شعبۂ اسلامیات اسلامیہ کالج لاہور)

۴ - حضرت علامہ محمد شریف صاحب شیخ الحدیث مظہر العلوم ملتان۔

۵ - حضرت مفتی سید مسعود علی صاحب نائب مہتمم انوار العلوم ملتان۔

۶ - حضرت مفتی ظفر علی صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم امجدیہ کراچی۔

۷ - حضرت علامہ فقیہ اعظم مولانا نوراللہ صاحب بانی و شیخ الحدیث مدرسہ حنفیہ فریدیہ بصیرپور۔

۸ - حضرت علامہ الحاج پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری مہتمم جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ

۹ - حضرت علامہ الحاج عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی۔

۱۰- حضرت صاحبزادہ فضل رسول صاحب مہتمم جامعہ رضویہ لائل پور۔

۱۱- حضرت مولانا محمد حسین صاحب شوق مہتمم مدرسہ محمودیہ رضویہ پپلاں ضلع میانوالی

۱۲- حضرت مولانا غلام فخر الدین صاحب گانگوی شہر میانوالی۔

۱۳- حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور۔

۱۴- فقیہ عصر مفتی محمد اعجاز الرضوی شیخ الجامعہ و خادم الحدیث دار العلوم نعمانیہ لاہور

۱۵- حضرت استاذ العلماء مولانا عطا محمد صاحب مدرسہ امدادیہ مظہریہ بندیال
ضلع سرگودھا۔

۱۶- حضرت مولانا سید حسین الدین شاہ صاحب ضیاء العلوم جامعہ رضویہ راولپنڈی

۱۷- حضرت مولانا سید جلال الدین شاہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ بھکی ضلع گجرات۔

۱۸- حضرت علامہ محمد خلیل خاں صاحب شیخ الحدیث مدرسہ احسن البرکات حیدرآباد۔

۱۹- حضرت مولانا قاضی عبد النبی کوکب۔ ایم۔ اے۔ لاہور

۲۰- حضرت مولانا علامہ الحاج مولانا غلام علی صاحب شیخ الحدیث جامعہ حنفیہ اشرف المدارس اوکاڑہ۔

سات رکنی کمیٹی کے ارکان حسب ذیل ہیں:

۱- حضرت علامہ عبد الستار خان نیازی ایم۔ اے۔ سابق ایم پی اے
وسابق صدر شعبۂ اسلامیات اسلامیہ کالج لاہور۔

۲- علامہ سید محمود احمد صاحب رضوی ناظم حزب الاحناف لاہور۔

۳- علامہ محمد شریف صاحب شیخ الحدیث مظہر العلوم دولت گیٹ ملتان۔

۴- حضرت استاذ العلماء مولانا عطا محمد صاحب مدرسہ امدادیہ مظہریہ بندیال۔

۵- فقیہ عصر مفتی محمد اعجاز الرضوی شیخ الحدیث دار العلوم جامعہ نعمانیہ۔ لاہور۔

۶- حضرت علامہ الحاج مولانا ابو البرکات سید احمد شاہ صاحب امیر و شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف لاہور

۷- حضرت علامہ اللہ بخش صاحب صدر المدرسین مدرسہ شمس العلوم مظفریہ رضویہ واں بھچراں ضلع میانوالی

تنقید و تبصرہ

سنٹرل گورنمنٹ کی نئی تعلیمی پالیسی میں یہ اعتراف بجا ہے کہ جدید نظام تعلیم کی وجہ سے ملّی اجماعیت قائم نہیں ہوسکی۔ قومی تعمیر و ترقی میں نظام تعلیم نے صحیح کردار ادا نہیں کیا، بیکاری اور بیروزگاری بڑھ گئی ہے اور تعلیمی معیار بھی پست ہوگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملّت کے اندر علماء، مفکرین اور منتظمین کا قحط الرجالی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ بموجب رپورٹ جدید نظام تعلیم کا مقصد حکومت انگلشیہ کے لیے کلرک، بابو، منشی، پیشکار اور کارندے پیدا کرنا تھا۔ جیسا کہ سر ڈبلیو ولیم ہنٹر (SIR W. W. HUNTER) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "ہندوستانی مسلمان" (NDIAN MUSALMANS) میں لکھا ہے

"کہ لارڈ میکالے کے مرتب کردہ نظام تعلیم کی وجہ سے ایک ایسا طبقہ وجود میں آگیا جو خون اور پوست کے اعتبار سے تو ہندوستانی تھا لیکن مذاق، رائے، اخلاق اور فہم کے اعتبار سے فرنگی تھا۔" اسی مصنف نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں آگے چل کر ایک المیے کا ذکر کیا ہے کہ " میکالے کے نظام تعلیم نے ہندوستان کے اندر ایک شاندار روایات کی حامل قوم (امت مسلمہ) کو بے وقعت بنا کر رکھدیا۔"

رپورٹ کا یہ حصہ بھی ٹھیک ہے کہ دینی نظام تعلیم ملّی تشخص اور دینی عقائد و نظریات کے تحفظ کے لیے وجود میں لایا گیا تھا اور اس نظام تعلیم نے اعلیٰ درجے کے مفکر، علماء، فضلاء اور منتظمین سلطنت پیدا کیے۔ لیکن علماء اہل سنت کی یہ تعلیمی کمیٹی رپورٹ کے اس حصے سے اختلاف کرتی ہے کہ دینی نظام تعلیم بھی ملّی امنگوں اور

آرزوؤں کو پورا نہ کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز کی عملداری سے قبل ہندوستان میں چپے چپے پر دینی مدارس موجود تھے۔ انہی مدارس کے فارغ التحصیل علما پورے نظم مملکت میں دخیل تھے۔ عسکری، انتظامی، قانونی، اخلاقی دینی حتٰی کہ بین الاقوامی معاملات کے لیے بھی مدارس ماہرین فنون مہیا کرتے رہے۔ ان مدارس کا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم اس قدر جامع و مانع تھا کہ اس میں جہاں اصول و مسلمات دین کی تعلیم کی اعلیٰ ترین کتب شامل تھیں وہاں عصری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بھی منطق، فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، علم طب وغیرہ کے مضامین شامل تھے۔ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم نے بیک جنبش قلم اس ملک کے اندر دنیاوی فوز و فلاح اور اعزاز و اکرام کا معیار انگریزی تعلیم کو بنا دیا اور یوں دینی مراکز کو بے وقعت بنا کر ہمارے تہذیبی ثقافتی اور روحانی اداروں پر بھی یلغار کی گئی۔ وہ دن ہے اور آج کہ ہمارے خلاف ایک منظم سازش جاری ہے اور بقول حضرت علامہ اقبال۔

؎ اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

یہ بات ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ اگر دینی نظام تعلیم کی پھیلائی ہوئی ایمانی روشنی نہ ہوتی اور مسلمانوں کی مجلسی زندگی کتاب و سنت کے اثرات کی حامل نہ ہوتی تو قائداعظم کا یہ مطالبہ کہ "ہم مسلمان جداگانہ تہذیب، جداگانہ تمدن، جداگانہ سیاست جداگانہ قانون، جداگانہ اقتصادی تصورات، جداگانہ اقدارِ حیات، جداگانہ ملی روایات، جداگانہ ملی عزائم اور جداگانہ اسماء و صفات اور تقویم و عبادات کی وجہ سے ایک علیحدہ قوم ہیں اور اس لیے ہم ایک علیحدہ خطۂ ارضی یعنی پاکستان چاہتے ہیں۔ تاکہ وہاں پر بلا شرکت غیرے اور سہیم احدے ہم ملی زندگی بسر کر سکیں"۔ حقیقت کا جامہ نہ پہن سکتا تھا۔ اس نظام تعلیم میں کوئی نقص، کوئی خامی اور کوئی کمزوری نہیں ہے۔ یہ نظام تعلیم جو اپنے دیس میں پردیسی بن چکا ہے، مطالبہ کرتا ہے

کہ اس کے خلاف لادینی سازش کو ختم کر کے اس کی تائید و حمایت کے اسباب و وسائل فراہم کیے جائیں۔ اس کی ہیئت ترکیبی میں کسی قسم کی مداخلت روا نہ رکھی جائے۔ البتہ ایسے نئے مضامین اور علوم کے اضافے کا ہم خیر مقدم کریں گے جو دینی مقاصد کی تکمیل کے لیے تائید و تقویت کا باعث بن سکیں۔ اس سلسلے میں بھی علماء اہل سنت و جماعت کی یہ کمیٹی ہر مرحلے پر اپنے جامع و مانع نظام تعلیم کا مفید نصاب پیش کرے گی مثلاً دسویں تک اسلامیات کا کیا نصاب ہو۔ ایف اے میں کیا ہو۔ بی اے میں کیا ہو اور ایم اے میں کہاں تک اس کی توسیع کی جائے۔

جہاں تک درس نظامیہ کی افادیت و اہمیت کا تعلق ہے اس میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ حدیث، فقہ، تفسیر اور علم کلام کی متداول کتب کو پڑھے بغیر کوئی شخص سندِ فضیلت حاصل نہیں کر سکتا۔ جدید علوم کے اضافے کا مطلب بھی یہ ہے کہ موجودہ مضامین کو پورے اہتمام کے ساتھ پڑھایا جائے۔ منطق، فلسفہ، طبعیات اور ریاضیات کی نئی کتب کو جلد از جلد اردو زبان میں منتقل کر دیا جائے ان علوم کی مروجہ اصطلاحات کو باقی رکھ کر ہی ہم متقدمین کی تصنیفات کو سمجھ سکتے ہیں اسی طرح قدیم اندازِ تحریر کے مطابق حدیث، فقہ، تفسیر، علم کلام حتیٰ کہ تصوف کی کتب اور ان کی تشریحات اکثر فلسفہ کی مصطلحات میں لکھی گئی ہیں اور ان میں بھی قدیم فلسفہ اور منطق کی زبان مروج ہے۔ المختصر اس کمیٹی کا مشورہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں کوئی کتر بیونت روا نہ رکھی جائے۔ اضافی علوم میں فلسفہ، منطق، ہیئت، طبعیات، مابعد الطبعیات (جو درس نظامیہ میں پڑھائے جاتے ہیں) میں جدید تحقیقات کو شامل کیا جائے اور انکے علاوہ دیگر ضروری مضامین کو قبول کرنے میں کوئی اعتراض نہیں۔

زیر بحث رپورٹ میں قدیم اور جدید طبقات میں وحدت اور یک جہتی پیدا

کرنے کے لیے نظامِ تعلیم کا ایک ایسا منصوبہ پیش کیا گیا ہے جس میں دسویں جماعت تک اسلامیات لازمی ہوگی اور آئندہ اختیاری نیز کلیات میں اسلامی علوم پر ریسرچ کا اہتمام کیا جائے گا۔ جو طلبہ ریسرچ کرنا چاہیں گے ان کے لیے ہر ممکن سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔

قطع نظر اس کے کہ اجتماعی منصوبہ تعلیم کیا ہوگا اور قدیم و جدید نظام ہائے تعلیم کو کن اصول و ضوابط کے ماتحت مدغم کیا جائے گا اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلامیات کا مفہوم کیا ہے۔ نیز اس رپورٹ میں اکثر مقامات پر اسلام، اسلامی تصورات، اسلامی آئیڈیالوجی اور اسلامی ثقافت کا جو ذکر ہوا ہے اس سے مرتبین رپورٹ کی کیا غرض ہے۔ جب تک ان مصطلحات کے معانی متعین نہ کیے جائیں خلط مبحث باقی رہے گا کہیں موہنجوڈیرو اور گندھارا کو اسلامی تہذیب کے نام پر پیش کیا جائیگا اور کہیں رقص بدن کے خم و پیچ، فنون لطیفہ کے نام پر بت تراشی کو ثقافت تسلیم کرایا جائے گا۔

ہمیں خوشی حاصل ہوئی ہے کہ موجودہ حکومت نے قدیم و جدید اذہان کے بُعد کو دُور کرنے اور اسلامی اقدارِ حیات کو نئے نظام تعلیم میں داخل کرنے کا عزم بالجزم کیا ہے ہم کسی بحث و مناظرہ کا باب کھولے بغیر مثبت انداز میں اسلام، اسلامی تصورات اسلامی آئیڈیالوجی اور اسلامی ثقافت کو مندرجہ ذیل چھ مثبت اور تین منفی اصولوں میں پیش کرتے ہیں۔ انہی اصولوں پر ہمارا آئین مرتب ہوگا۔ یہی ہماری ملی زندگی کا سرچشمہ ہوں گے اور ہمارا نظام تعلیم بھی انہی کی روشنی میں مرتب کیا جائے گا۔

مثبت اُصول

۱۔ **قطعیت فرامین کتاب** | حقیقی خالق، مالک، حاکم اور منصف اللہ ہے۔ قرآن اللہ کی آخری نازل کردہ کتاب ہے، اسی لیے قانون سازی، عدالت، نظم و نسق اور حکومت کے ہر فیصلے کے لیے قرآن اولین منبع اقتدار اور برترین فرمان روا ہوگا۔

۲۔ **حتمیت احکام رسالت** | زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اللہ کے احکام پہنچانے

کے لیے اُس کے آخری بلاواسطہ نائب جناب خاتم النبیین والمرسلین محمد رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں۔ اس لیے ان کے احکام، اعمال اور روایات، حدیث و سنت سے متعلقہ علوم کے مطابق ان کی فرضیت کا درجہ مقرر کرنے کے بعد حکومت کے ہر شعبہ کے لیے دوسرا واجب التعمیل ماخذ اور وسیلۂ اقتدار ہوں گے۔

۳۔ توسّل منہاج خلافت | جب کبھی کتاب و سنّت کا مفہوم متعین کرنے میں اختلاف رائے پیدا ہو تو صحابۂ کرام، ائمہ، فقہاء اور سلف صالحین کی تفاسیر تصریحات، اجتہادات اور فتاویٰ کے جو تقاضے ہنگامی نہ تھے۔ فقہ کے اصولوں کے مطابق بتدریج مدوّن و مرتب کرکے بحیثیت ایک ایسے اجماع ماضیہ کے ترجمان کے جو آج بھی اسلامی اعتقاد کے جواز کا تسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر ائمہ سے اخذ کرنے میں ایک سبقت والی کڑی کا رتبہ رکھتا ہے منفرد فیصلوں یا نتائج تک پہنچے ہیں بطور نظیر کے ماخذ اور بنائے نفاذ کے قابلِ تقلید ہوں گے۔

۴۔ اتباع مسلک اجماع | مذکورہ بالا تینوں اصولوں کے ماتحت مخصوص یا قطعی قوانین کا استخراج کرنے میں ہر قسم کے اختلافِ رائے کا تصفیہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان اصحاب الرائے دائے دہندگان کی کثرتِ رائے سے کیا جائیگا جنہوں نے اپنی عادات میں اتباعِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ضروری علوم دینی اور دنیاوی میں دستگاہ کی بنا پر اہل الرائے کا منصب حاصل کر لیا ہوگا۔

۵۔ اطاعت فتویٰ و فیصلہ | ہر مقدمہ میں مسلکِ اجماع کے مفہوم کے متعلق ہر قسم کے اختلافات کا آخری فیصلہ آئینی یا قانونی امور میں مفتی کی متعلقہ عدالت اور واقعاتی امور میں قاضی کی متعلقہ عدالت بحیثیت ایک آزاد اور واجب الاطاعت منصف کے کریگی جس کا احاطۂ اختیار تا حکومت، اربابِ حکومت اور ہر ادارہ یا فرد پر حاوی ہوتا۔

۶۔ تمسک میثاق بیعت | ہر معاشرتی، سیاسی، آئینی، قانونی، تعلیمی اور انتظامی ذمہ داری اور اختیار کی بنا اس سلسلہ انفرادی اور اجتماعی میثاقِ بیعت پر ہوگی جو ریاست کا ہر باشندہ شہریت کے رجسٹر میں نام درج کراتے وقت آئین کے تئیں حقیت اور تین متفقہ بنیادی اصولوں کی وفاداری اور فرمانبرداری کا حلف اٹھا کر قبول کرے گا۔

منفی اصول

۱۔ امتناع فرعونیت (شرک۔ ظلم)

سرکاری اختیارات یا سرکاری اقتدار کے بدلے انفرادی اقتدار سے کسی شخص یا گروہ کی آزادی کردار پر کوئی پابندی سوائے آئین، قانون یا معاہدہ قانون کی تعمیل کے عائد نہ کی جائیگی۔ عدالت متعلقہ ہر مقدمہ میں طے کرے گی۔ کہ جبر کی نوعیت، مقدار اور طریقہ کہاں تک جائز تھا۔

ہر شہری کو اختیار ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ انفرادی اور اجتماعی کوشش سے ہر ایسی انسانی طاقت کا موزوں مقابلہ کرے جو اقتدار کو استبداد یا بیداد کی غرض سے استعمال کرے۔ بشرطیکہ متعلقہ عدالت میں اقتدار کا ناجائز استعمال اور مقابلہ کے طریقہ کی موزونیت ثابت ہو جائے قرآن مجید میں شرک کی ممانعت اور فرعون کی مثال استبداد کا مفہوم واضح کر دیتی ہے۔

۲۔ امتناع قارونیت

سرکاری دولت، سرکاری دولت کا اثر یا انفرادی دولت کسی شخص کی دولت کی مقدار یا قیمت بڑھانے یا گھٹانے کے لئے استعمال نہ کی جائے گی۔ نہ ہی کسی شخص کے دولت کمانے کے امکانات پر پابندی حائل ہونے دی جائیگی سوائے اس صورت کے کہ آئین، قانون یا معاہدہ قانون کی تعمیل میں اسکی ضرورت محسوس ہو۔ عدالت متعلقہ ہر مقدمہ میں طے کرے گی کہ آیا کسی اقتصادی کاروائی کی نوعیت، حدود اور طریقے جائز ہیں یا نہیں۔

ہر شہری کو اختیار ہوگا اور اسکا فرض ہوگا کہ انفرادی اور اجتماعی کوشش سے ہر ایسی انسانی طاقت کا موزوں مقابلہ کرے جو دولت کے ناجائز استعمال یا ذخیرہ کی مرتکب ہو۔ بشرطیکہ

استعمال یا ذخیرہ کا عدم جواز اور مقابلہ کے طریقہ کی موزونیت متعلقہ عدالت میں ثابت ہو جائے۔

قرآن مجید میں ظلم، اکتناز، اور سود کی مخالفت اور قارون کی مثال دولت کے ناجائز استعمال یا ذخیرہ کا مفہوم واضح کرتی ہے۔

۴۔ امتناعِ یزیدیت (تلبیس و نفاق) | اسلامی اصطلاحات کسی شخص، گروہ یا طبقہ کے غیر اسلامی اعتقادات، مفاد یا تجاویز کے تحفظ یا تقویت

یا فروغ کے لئے استعمال نہ کی جائیں گی۔ عدالت متعلقہ ہر مقدمہ میں فیصلہ کریگی کہ آیا کسی قول، فعل یا رویہ سے دین کے لیے تلبیس کا ارتکاب ہوتا ہے یا نہیں۔

ہر شہری کو اختیار ہوگا بلکہ اس کا فرض ہوگا کہ انفرادی اور اجتماعی کوشش سے ہر ایسی انسانی طاقت کا مقابلہ کرے جو اسلام کے دعاوی کو ناجائز مفاد کے لیے آڑ بنا کر استعمال کر رہی ہو بشرطیکہ بعد میں عدالت کے سامنے اسلام کا ناجائز استعمال اور مقابلہ کے طریقہ کی مناسبت ثابت ہو جائے۔

قرآن مجید میں منافقت کی مذمت اور مخالفت اور اسلامی تاریخ میں یزید کی مثال واضح کر دیتی ہے کہ اسلامی اصطلاحات کے اصل مفہوم سے ہٹ کر انکے ناجائز استعمال کا مفہوم کیا ہے۔

طول کلام کی معافی چاہتے ہوئے ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ باتیں ہیں چونکہ اسلام، اسلامی اصول اسلامی آئیڈیالوجی اور اسلامی ثقافت کی بابت بعض خود غرض لوگوں نے گمراہیاں پھیلا رکھی تھیں اور دین کے نام پر لادینی رجحانات کو فروغ دیا جا رہا تھا اس سے ان اصطلاحات کی وضاحت ضروری تھی۔ نیز ہم یہ بھی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ بجائے اسلامی رنگ (Islamic Colore) اسلامی عصبیت (Islamic Bias) اسلامی اقدار (Islamic values) اسلامی اصول (Islamic Principles) اسلامی تصورات (Islamic concepts) اسلامی روح (Islamic spirit)

اور اسلامی تاثرات (Solanic Tigs) کے نمونوں میں اسلامی عقائد و اعمال کی تمام، ناقص اور ادھوری تعبیر کے بجائے کامل و مکمل تعبیر پیش کی جائے بقولہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اے ایمان والو اسلام کو تمام وکمال قبول کرو اور خواہشات نفسانی کی اتباع کرتے ہوئے نا تمام و ادھوری باتوں کے پیچھے پڑو۔ اسلام کو قبول کرنا ہے تو اسے من وعن تسلیم کیجئے ہمیں ادھورے مقلدین کی ضرورت نہیں۔

ادغام زیر نظر رپورٹ میں قدیم و جدید نظامہائے تعلیم کو یکساں بنانے کے لیے جو مشورے دیئے گئے ہیں۔ ان میں مرتبین نے نیک نیتی کے ساتھ بُعد و اجنبیت کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جدید نظام تعلیم میں اسلامیات شامل کر کے اور قدیم نظام تعلیم میں سائنس جغرافیہ وغیرہ مضامین کا اضافہ کر کے یہ بُعد دور ہو جائے گا۔ اور ملت میں وحدت و استحکام کی فضا پیدا ہو جائے گی۔ حالانکہ اختلاف و اجنبیت کی جڑیں اس سے کہیں زیادہ گہری ہیں۔ ان وجوہ کی نشان دہی کے لئے ہمیں کچھ سال پیچھے جانا پڑے گا۔

قیام پاکستان کے بعد جب مشترکہ مقصد حاصل ہو گیا تو تمام پرانے تفرقات نے دوبارہ سر اٹھایا ہر گروہ نے جس مخصوص مقصد کی خاطر وطن حاصل کیا تھا۔ اس کی کوشش شروع کی کہ پاکستان کو اپنے مقصد کیلئے استعمال کرے جس سرکاری ملازم نے پاکستان کی حمایت اس لئے کی تھی کہ اسے ہندو اور انگریز کے ماتحت نالائق قرار دیکر ترقی سے محروم رکھا جاتا تھا اس نے ایک زقند لگائی اور اپنے مخصوص محکمہ بلکہ بعض صورتوں میں کئی دوسرے محکموں کا اعلیٰ افسر بن بیٹھا جس تاجر کو شکایت یہ تھی کہ غیر مسلم سوداگر اسکی دکان نہیں چلنے دیتے اس نے پوری منڈی پر اپنا سکہ جما لیا اور برسوں نفع نہ کما سکنے کا انتقام گراں فروشی سے لینے لگا۔ قیام پاکستان کی جدوجہد دارودی میں شروع ہوئی اور دس سال کے اندر اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس لئے اقتدار جب اس تحریک کے قبضے میں آیا تو حکومت

کے ہر شعبے کو سنبھالنے کے لیے تحریک کے ایسے آزمودہ کار کارکن موجود نہ تھے جو ایک طرف تحریک کے مقاصد سے ایثار پیشہ وابستگی رکھتے اور دوسری جانب حکومت کے مخصوص شعبوں کو چلانے کی قابلیت اور تجربہ سے بہرہ ور ہوتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قیام پاکستان غالباً تاریخ میں وہ پہلا انقلاب تھا جس کے بعد حکومت کی تمام کلیدی آسامیوں پر وہی نوکر قابض رہے جنہوں نے انگریز یا ہندو کے ماتحت تربیت حاصل کی تھی۔ جن کا فلسفۂ زندگی اور جن کی شخصی وفاداریاں تحریک پاکستان کے مقاصد سے متصادم تھیں۔ علاوہ سرکاری ملازمتوں کے معاشرے کے مختلف طبقات میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی موجود تھی جو قوم سے غداری کر کے انگریز، ہندو کے وفادار ملازم ہونے کی پنشن آج تک پاکستان کے خزانے سے وصول کر رہے ہیں۔

ان سب عوامل پر مستزاد یہ کہ ایک سو سال تک لارڈ میکالے کا ایجاد کردہ اور بعض نام نہاد ترقی پسند مسلمانوں کی کوششوں سے مسلمانوں میں رائج شدہ نظام تعلیم ملت کے بعض طبقات میں ایک ایسا ذہن پیدا کر چکا تھا جو اسلامی علوم سے ویسا ہی بے خبر تھا جیسا کہ مغربی علوم میں اس کی واقفیت سند یافتہ سے آگے نہ تھی۔ اس ذہن پر ایک عجیب دھندلکے کا عالم ہمیشہ طاری رہتا تھا۔ قائداعظمؒ نے قیام پاکستان کی جنگ، چونکہ انگریز اور ہندو سے لڑی تھی اس لیے ان کی تمام تحریکیں ان اصطلاحات میں بیان کی گئیں جو اس دوغلے ذہن کے لیے ہندو اور انگریز کے قرب کے باعث اچھی طرح قابل فہم تھیں۔ یوں اس ذہن نے زندگی میں پہلی مرتبہ یہ دماغی اور قلبی سکون محسوس کیا کہ قائداعظمؒ کا مقصد یعنی پاکستان تو اُن کے قلب کے اس حصے کو کشش کرتا تھا جس میں اسلامی ورثے سے پایا ہوا خون گردش کر رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قائداعظمؒ کی چلائی ہوئی تحریک کی جمہوری، آئینی اور عہد حاضر میں رائج اصطلاحات اس ذہن کے اُن حصوں کے لیے سازگار تھیں، جہاں انگریز کے مدرسے اور ہندو کے اخبارات سے پڑھا ہوا علم دبکا بیٹھا تھا۔ پاکستان بن گیا تو ایک طرف تو مشترکہ مقصد جس کی کشش نے مختلف مسلمان گروہوں کو ایک جماعت میں منسلک کر دیا تھا۔ اُن کو آئندہ اکٹھا رکھنے کی

استعداد سے محروم ہو گیا۔ دوسری جانب مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن اور قدیم وضع کے روایتی اسلامی قالب میں ایک نئے تصادم کا موقع فراہم ہو گیا اس روحانی، اخلاقی اور ذہنی تصادم کو اقتصادی اور سیاسی بلکہ معاشرتی رقابت کے جذبے نے زیادہ تلخ کر دیا۔ قدیم وضع کا مسلمان سمجھتا ہے کہ انگریزی زدہ "کرسٹانے" محض اعلیٰ عہدوں، شاندار کوٹھیوں، بے پردہ بیگمات، فاخرہ موٹر کاروں اور ناجائز آمدنی یا جائداد کو محفوظ اور برقرار رکھنے کے لیے اسلامی نظام کو رواج دینے کے خلاف بے سروپا عذر تراشتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقات کو زعم ہے کہ یہ بزعم خود غلط "ملانے" خدا رسول، جنت، دوزخ اور فرشتوں کے ذکر میں الجھا کر حکومت کے اقتدار اور ملک کی دولت میں وہ حصہ چھیننا چاہتے ہیں جس کے حقدار فقط ہم جیسے روشن خیال ہو سکتے ہیں جنہوں نے مہذب غیر مسلم اقوام کے علوم و فنون پر بھی عبور حاصل کر لیا ہے۔

ان حالات میں سکول اور مدرسے کے ادغام یا میٹرک تک لازمی اسلامیات سے مسائل حل نہ ہوں گے بلکہ لارڈ میکالے کے کافرانہ نظام تعلیم کے مقابلہ میں اہل اسلام نے اپنے عقائد و اعمال کے تحفظ اور اپنے معاشرے کی بقا کے لیے جو سامان فراہم کیا تھا۔ اور قرآن، حدیث فقہ، تفسیر اور علم کلام کے لئے جامع و نافع نصاب تعلیم مرتب کر کے خدمت دین کی جو تحریک چلائی تھی وہ بے اثر ہو کر رہ جائیگی۔ قدیم نظام تعلیم سرکاری سرپرستی سے عاری ہے حکومت میں اسے کوئی اقتدار حاصل نہیں۔ اس لئے موجودہ بگاڑ کے ذمہ دار جدید نظام تعلیم کے تربیت یافتہ ہیں نئی روشنی کے نونہالوں نے جو اخلاقی، معاشرتی، معاشی، سیاسی، تہذیبی اور تمدنی بگاڑ پیدا کیا ہے۔ اور قوم کے لیے جو پیچیدہ مسائل و مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ان کے ازالہ کیلئے پرائمری سے کر ایم اے بلکہ پی ایچ ڈی تک دینی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے اور ہر مضمون کو دین حقہ کی روشنی میں پڑھایا جائے۔ جو خیالات شریعت سے متصادم ہیں۔ ان کی تردید کی جائے اور جو موافق ہیں ان کی تائید و توثیق کے لیے کتاب و سنت سے دلائل فراہم کئے

جائیں۔ اس طرح سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کے قریب آجائے گا۔ اور قدیم نظام تعلیم سے اسے جو وحشت، نفرت، بُعد اور اجنبیت ہے وہ خود بخود دور ہو جائے گی اور تعلیمی رپورٹ کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

قدیم نظام تعلیم کے متعلق یہ اعتراض کہ پاکستان میں ملی ضروریات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکا اور اجماع ملی کے قیام سے قاصر رہا ہے۔ ایک بہت بڑی جسارت ہے اسلامی معاشرہ کے قیام و استحکام اور کتاب و سنت کی فرمانروائی کو حقیقت ثابتہ بنانے میں جو خدمات علماء و فقہاء اور صلحاء امت نے انجام دی ہیں اس کا انکار عہد حاضر کا بہت بڑا المیہ ہے۔ آپ خود انصاف کریں اگر قومی زندگی سے علماء کو الگ کر دیا جائے تو اس ملک کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں اور سارا معاشرہ اندر سے ریزہ ریزہ اور باہر سے پرزہ پرزہ بن جاتا ہے۔

ملی اجتماعیت کے علاوہ دوسرا اہم مقصد بیروزگاری اور بیکاری کا انسداد ہے علماء نے جمعہ و جماعت اور شریعت کی تعلیم کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے اور بفضلہ تعالیٰ ان مدارس کا فارغ التحصیل ایک فرد بھی بیکار نہیں۔ البتہ سول سروس میں بار نہ پاسکنے کا جو خیال بھی خواہان ملت نے ظاہر کیا ہے اس کا آسان علاج یہ ہے کہ درس نظامیہ کے فارغ التحصیل طالب علم کو ایم اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کے مساوی قرار دیا جائے اور حکومت کے دیگر شعبوں میں اسکا معیار اہلیت اور قابلیت قائم کرنے کے لیے ضروری مضامین کا اضافہ کیا جائے اس پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ ادغام کے بجائے تعاون و موافقت کی فضا پیدا کرتے ہوئے تقسیم کار کی پالیسی اختیار کی جائے۔ نئی تعلیمی پالیسی کے مرتبین کے اس اعتراف سے کہ قدیم نصاب تعلیم نے بڑے بڑے مفکر، مدبر اور محقق پیدا کئے ہیں واضح ہو جاتا ہے کہ قدیم نصاب تعلیم میں کسی قسم کی کوئی خامی موجود نہیں ہے آج بھی اگر اسے صحیح طریقہ پر رائج کیا جائے تو اسی طرح مفکر، مدبر رازی اور غزالی جیسے پیدا ہو سکتے ہیں۔

اس کے برعکس جدید نظام تعلیم ہر اعتبار سے ناکام رہا اور سوائے بابوؤں، کلرکوں کے کوئی

شخصیت نہیں بنا سکا لہٰذا قدیم وجدید نصاب تعلیم کے ادغام کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ دین دین رہیگا اور نہ بابو بابو بلکہ لارڈ میکالے جو دانستہ طور پر کرنا چاہتا تھا اور نہ کر سکا ادغام سے اُس کا مقصد اب نادانستہ طور پر یا سہواً ہمارے ہاتھوں پورا ہو جائیگا۔ اِسی قدیم نصاب تعلیم نے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ صاحب، اور اِس صدی کے مجدد فاضل بریلوی مولانا شاہ احمد رضا خان، مولانا محمد امجد علی مصنف بہار شریعت اور مولانا عبدالعزیز مبارکپوری جیسے عظیم مجاہد دینی رہنما اور ماہر اسلام پیدا کئے ہیں۔ اور جدید نصاب تعلیم کی ناکامی کا تو آپکو اعتراف ہے ہی۔ قدیم نصاب تعلیم کے موجودہ دور میں پورے طور پر کامیاب نہ ہونے کا سبب قدیم نصاب ہرگز نہیں بلکہ اس کی ناکامی گذشتہ صدی سے ارباب اختیار کی بے اتفاقی اور دیدہ دانستہ اس سے چشم پوشی ہے دینی مدارس میں وہ اسباب و سہولتیں مہیا نہیں جو عام سکولوں یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کو حاصل ہیں۔ دینی مدارس میں ایک ایک مدرس کے ذمے بیک وقت آٹھ آٹھ دس دس مضامین کی تعلیم و تدریس کر دی جاتی ہے جبکہ سکولوں کالجوں میں ہر مضمون کے لیے علیحدہ علیحدہ ماہر مدرس موجود ہیں۔ مدارس عربیہ میں کتب نادرہ کا فقدان، جگہ کی قلت اور کاروبار حکومت میں مدارس کے فارغ التحصیل کو مناسب موزوں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے آج مفکر و مدبر پیدا نہیں ہو رہے ہے اگر ان خامیوں کو دور کر دیا جائے تو اِس قدیم نصاب کی افادیت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

اگر آپ قدیم وجدید نصاب تعلیم کو یکساں کرنا چاہتے ہیں تو آپ مبارکباد کے مستحق ہیں ہمیں ایسا کرنے میں خوشی ہوگی مگر اسکا یہ طریقہ نہیں کہ دینی مدارس کو عام سکولوں کے تابع کر دیا جائے بلکہ اسکا صحیح طریقہ یہ ہے کہ دنیاوی علوم و فنون کو اسلام کے تابع کیا جائے اور اسلام کو ان سب علوم کیلئے متبوع قرار دیا جائے۔ دینی نصاب کو جوں کا توں رہنے دیا جائے اور اسی نصاب کے اہم اور ضروری مضامین کو بی۔اے تک لازم قرار دیکر شامل نصاب کیا جائے بصورت دیگر

رائے عامہ کی تحقیر اور اسلام کی تضحیک منظور ہوگی اور جمہوریت کے تقاضوں کا خون۔

اسلامی نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کی فوقیت، فضیلت، آفاقیت اور بین الاقوامی اہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ حتیٰ کہ "الفضل بما شہدت بہ الاعداء" کے مصداق ایک جرمن ماہر تعلیم نے ہمارے نظام کی سیادت و قیادت کا تذکرہ پرشکوہ الفاظ میں کیا ہے اور اسباب زوال کو ایسی دلنشین پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ بے اختیار تحسین و مرحبا کہنے کو جی چاہتا ہے امید ہے مرتبین رپورٹ کے لئے سرمۂ چشم بصیرت ہوگا۔ "علم کے معاملہ میں دنیا جانتی ہے کہ جرمن قوم کا ایک خاص مقام ہے اور وہیں کے ایک ماہر تعلیم ڈینئل ہینی برگ نے مسلمانوں کے نظام تعلیم پر ایک مقالہ لکھا جسے ١٨٥٠ء میں شاہ لوبیریا کے دربار میں پڑھا گیا اس محقق نے اپنی تعلیمی دیانتداری کی بنیاد پر پورے اصرار سے یہ کہا کہ جو کمال مسلمان اپنے متحرک نظام تعلیم کے ذریعہ چند سالوں میں حاصل کر گئے دوسری قومیں وہ صدیوں میں بھی نہ کر سکیں"

ہماری درسگاہوں سے جو علمی فیض جاری تھا۔ اور جس تیزی سے وہ کرۂ ارض کو اپنی آغوش رحمت میں لئے جا رہا تھا اس سے دہشت زدہ ہو کر فرنگیوں نے ہماری درسگاہوں کو سب سے پہلے مفلوج کیا۔ یہ کام (Land Resumption Act) کے ذریعہ کیا گیا تاکہ درسگاہوں اور خانقاہوں سے متعلق وہ تمام معاشی ذرائع چھین لیے جائیں اور انہیں بھکاریوں کی صف میں شامل کر دیا جائے یہ سازش تن تنہا ہی ہماری تعلیمی زندگی کو تباہ کرنے میں کافی ثابت ہوئی فاعتبروا یا اولی الابصار

یہاں بھی دینی نظام تعلیم میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں۔ اگر ان درسگاہوں کے ساتھ اوقاف باقی رہتے اور طلبہ و مدرسین کو معاشی پریشانیوں کا سامنا نہ ہوتا تو یقیناً نظامیہ بغداد اور جامعہ ازہر کی طرح سارے عالم اسلام میں یہ دینی مراکز بد ستور تابندہ و تابناک رہتے۔ مصیبت یہ ہے کہ اغیار نے اسلام دشمنی کے عقربی جذبات کی بنا پر ان مراکز کو برباد کیا اور اپنوں نے ماڈرنزم (Modernism) یعنی جدیدیت کو اپنا کر نادانستہ دشمنوں کی سکیم کی تکمیل کر دی۔

نئی تعلیمی پالیسی کی تجاویز میں جہاں مدارس دینیہ اور جدید نظام تعلیم کے ادغام کا سوال ہے ہماری کمیٹی کا نقطۂ نگاہ بالتفصیل سفحۂ قرطاس پر آچکا ہے - اب دوسرے امور کی بابت جو براہ راست ملی زندگی پر اثر انداز ہیں یہ کمیٹی قرار دیتی ہے کہ:-

(۹) پاکستان میں اردو - بنگلہ کے علاوہ علاقائی زبانوں کی لازمی تعلیم کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی ذریعہ اظہار خیال کے طور پر انگریزی زبان کی تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ ایک طالب علم کو بیک وقت علاقائی زبان کے علاوہ اردو، بنگلہ اور انگریزی بھی پڑھنی پڑیگی۔ چھوٹی عمر میں چار زبانوں کا بوجھ طلبہ کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ نیز علاقائی زبانوں میں پشتو، سندھی اور بلوچی کے تذکرے میں پنجابی کو شامل نہ کرنے کا مطلب بادی النظر میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ سابق صوبۂ پنجاب اور بہاول پور کی علاقائی زبان کو نظر انداز کردیا گیا ہے جو سراسر نا انصافی ہے اور جسے اہل پنجاب ہرگز برداشت نہ کریں گے۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ دسویں جماعت تک مغربی پاکستان میں علاقائی زبان کے ساتھ صرف اردو لازمی پڑھائی جائے اور بنگلہ کو اختیاری قرار دیا جائے۔

اسی طرح مشرقی پاکستان میں علاقائی زبان بنگلہ (جو وہاں کی صوبائی زبان ہوگی) کے علاوہ اردو کو اختیاری قرار دیا جائے - اور یونیورسٹی کی سطح پر انگریزی کو دونوں صوبوں میں اختیاری قرار دیا جائے۔

عربی سرکاری زبان بنادی جائے

پاکستان میں سرکاری زبان کا مسئلہ زیادہ معلق اور پیچیدہ ہے۔ ملک کے لئے دو سرکاری زبانیں ایک طرف تو وحدت و یکجہتی کو مجروح کررہی ہیں اور دوسری طرف طلبہ کے لئے ناقابل برداشت بوجھ ہے ہماری کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ بنگلہ اور اردو کو صوبائی زبانوں تک محدود رکھا جائے اور مملکت کی سرکاری زبان عربی کو قرار دیا جائے۔

(۱) بظاہر ہماری اس تجویز کو دینی غلو اور ورسی ترجیحات کے ذیل میں شمار کیا جائیگا۔

اور انگریزی دان حضرات علماء کی بالادستی پر انقباض محسوس کریں گے حالانکہ یہ خالص قومی مسئلہ ہے۔ آپ نے کل تک انگریزی کو سرکاری زبان تسلیم کیا جو ہمارے عوام کیلئے بالکل اجنبی بلکہ بدیسی ہے۔ تو اس کے مقابلہ میں عربی کو کیوں ناقابل برداشت تصور کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی اور بنگلہ کے مقابلے میں مغربی پاکستان میں عربی ہمارے عوام کے لئے زیادہ قابل قبول اور محبوب ہے۔

(۲) اسی طرح مشرقی پاکستان میں جہاں ۶ لاکھ طلبہ دینی مدارس میں زیر تعلیم ہیں عربی زبان سے عامۃ المسلمین زیادہ مانوس ہیں۔

(۳) مزید بریں ہماری معاشرت، دین و تمدن، تہذیب و ثقافت اور روزمرہ بول چال میں عربی کے سینکڑوں الفاظ استعمال میں آتے رہتے ہیں۔ اس سے بڑھکر یہ کہ پاکستان کی ۱۲ کروڑ آبادی میں کوئی گھر ایسا نہیں جہاں قرآن پاک موجود نہ ہو اور جہاں افراد خانہ میں سے کم از کم ایک دو مسلمان ناظرہ قرآن پڑھنا نہ جانتے ہوں۔

(۴) پھر صوم و صلوٰۃ، درود شریف، وظائف اور ادعیہ ماثورہ ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت (بچے اور بچیاں بھی) عربی زبان میں پڑھتے ہیں۔

(۵) مندرجہ بالا دلائل کے بعد آخری برہان قاطع و دلیل ساطع یہ ہے کہ مملکت پاکستان کے آئین کی رو سے ماخذ آئین و قانون کتاب و سنت کو قرار دیا جا چکا ہے۔ نہ صرف آئندہ کے لئے قرار دیا گیا ہے بلکہ موجودہ تعزیرات پاکستان کو بھی کتاب و سنت کے مطابق از سر نو مرتب کرنا ہے۔

(۶) حیف ہے جس قوم کی قانونی اور آئینی زبان قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی ہو وہ کیسے اسے سرکاری زبان تسلیم کرنے میں تعویقات کا سہارا لے سکتا ہے۔

(۷) اللہ کے فضل و کرم سے قرآن و سنت کی زبان کے ساتھ پاکستانی عوام کو وہ وابستگی اور دلبستگی ہے کہ محض اس امر کے اعلان پر ہی حکومت کو قبولیت و ترحبا کی

مسئلہ حل ہو جائے گی۔ اور سارے ملک میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ جائے گی۔

(۸) عربی کو سرکاری زبان قرار دینے سے مشرقی وسطیٰ کے ساتھ آپ کا رابطہ اخوت و مودت قوی تر ہو جائے گا۔

(۹) عالم اسلام کے ستر کروڑ فرزندان توحید کو ہمارے اس انقلابی اعلان پر دلی مسرت حاصل ہو گی اور وہ بھی ہماری تقلید میں عربی کو اپنی سرکاری زبان بنا کر وحدت الاسلامیہ کا سامان فراہم کریں گے۔

(۱۰) بمقابلہ انگریزی مملکت پاکستان میں عربی زبان کی واقفیت اور مانوسیت ہزار درجہ زیادہ ہے۔ اور دین و دنیا کی فوز و فلاح کا دارو مدار عربی زبان پر ہے۔

امید ہے حکومت ہماری تجاویز پر ٹھنڈے دل سے غور کرے گی اور عربی کو بلا تامل سرکاری زبان بنا دے گی۔ آخر میں ہم ایک اور مثال پیش کرتے ہیں جو اگرچہ اسلام کے علاوہ بین اسرائیل کی مثال ہے لیکن ایسا محیّر العقول کارنامہ ہے جو ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ اسرائیل میں ہر ملک کے باشندے موجود ہیں اس لئے دنیا بھر کی زبانیں بول سکتے ہیں۔ انگریزی بولنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، لیکن انہوں نے عبرانی جیسی مردہ زبان کو نہ صرف سرکاری زبان بنا دیا بلکہ اس زبان کے فروغ کے لئے کئی یونیورسٹیاں قائم کر لیں۔ کئی علاقے عبرانی کی تعلیم و تربیت کے لئے مختص کر دیئے لوگوں کو حکماً پابند کر دیا کہ وہ سوائے عبرانی کے اور کوئی زبان نہیں بولیں گے۔ اس جرأت مندانہ، قلندرانہ اور ماضی سے والہانہ رابطہ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج بیسویں صدی میں یہ کارنامہ ساری دنیا کے سامنے زندہ حقیقت بن کر آ گیا۔ اور ایک مردہ زبان ۲۴ لاکھ انسانوں کی سرکاری زبان بن گئی۔ محدود حلقے اور مخصوص مذہبی گروہ یعنی طبقہ احبار و رھبان اور ربیّین کی زبان کے بجائے ساری قوم کی زبان بن چکی ہے۔ جو کچھ یہودیوں نے ایک مردہ زبان کے لئے کر دکھایا ہے کیا ہم ایک زندہ و پائندہ زبان

یعنی عربی کے لئے نہیں کر سکتے۔

تعلیم بالغاں

زیر نظر رپورٹ میں تعلیم بالغاں کے لئے ایک وسیع منصوبہ پیش کیا گیا ہے۔ ہم اس منصوبہ کی پورے زور سے تائید کرتے ہیں صرف تعلیم بالغاں کی مہم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے بجائے میٹرک پاس طالبات اور الف اے پاس طلبہ کو استعمال کرنے کے ملک بھر کے ریٹائرڈ ملازمین محکمہ تعلیم محکمہ مال اور فوج کے علاوہ علماء اور سینکڑوں قومی خدام بے کار موجود ہیں جو اس منصوبہ کی تکمیل میں سر دھڑ کی بازی لگا سکتے ہیں۔ نوجوان لڑکیوں اور نوجوان لڑکوں کو کیمپ میں زیر تربیت رکھنے کے بعد انہیں فوج در فوج تعلیم بالغان کی مہم کے لئے آزاد چھوڑ دینا جہاں بظاہر تعلیمی مفاد کے خوش آئند نعرے قابل برداشت ہیں۔ وہاں اخلاقی بے راہ روی اور صنفی آوارگی کے کئی خطرناک مقاصد و عواقب بھی سامنے ہیں۔ بنا بریں یہ کمیٹی اس تجویز کی پوری شدت کے ساتھ مخالفت کرتی ہے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے بجائے قوم کے دوسرے افراد کو اس کام پر لگانے کا مشورہ دیتی ہے۔

مخلوط تعلیم

یہ کمیٹی قرار دیتی ہے کہ مخلوط تعلیم اور بے حیا معاشرہ نے ہماری قوم کی اخلاقی قوت کو فنا کر دیا ہے۔ قوم کے نوجوانوں میں صنفی آوارگی تماش بینی اور کام چوری کے علاوہ بزدلی اور دوں ہمتی فروغ پا رہی ہے اور اعلیٰ ترین مقاصد اور عزائم ختم ہو رہے ہیں ہمارا مطالبہ ہے کہ مخلوط تعلیم کو فی الفور ختم کر دیا جائے۔ اور ہر مرحلہ پر حتیٰ کہ یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم نسواں کا علیحدہ بندوبست کیا جائے ان اداروں کا سٹاف خالصتاً خواتین پروفیسروں پر مشتمل ہو۔ اور کسی صورت میں بھی غیر محرموں سے اختلاط کے مواقع پیدا نہ ہونے دیئے جائیں۔

انتظامیہ

یہ کمیٹی نظام تعلیم میں حکومت کی مداخلت کو روح تعلیم کے سراسر منافی قرار دیتی ہے۔ اور سلطانئ جمہور کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے

مترادف تصور کرتی ہے۔ ہم حکومت کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ نظام تعلیم کو زیادہ سے زیادہ جمہوری بنائے۔ بیرونی مداخلت سے اسے آزاد رکھے اور سوائے متعلقہ علماء و مفکرین کے کسی دوسرے کو انتظامیہ میں شامل نہ کیا جائے۔ جہاں تک امتحانات پر کنٹرول اور مالیات کی پڑتال کا سوال ہے وہاں پر ہر ایک غیر سرکاری خود مختار ادارہ جو متعلقہ اداروں کی روح تعلیم سے کماحقہ، واقف ہو۔ اور ان کا معتمد علیہ ہو بطور انتظامیہ قبول کیا جا سکتا ہے۔

المختصر کمیٹی تجویز کرتی ہے

۱۔ اسلامی عقائد و اعمال کو نظام تعلیم کے لئے بطور رہنما اصول تسلیم کیا جائے۔

۲۔ جدید نظام تعلیم میں لادینی اثرات کو ختم کرنے کے لئے پرائمری سے لے کر ایم اے تک دینی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔

۳۔ یونیورسٹی کے تمام مضامین کو روح اسلام سے ہم آہنگ کر دیا جائے۔ اقتصادیات، سیاسیات، معاشیات، فلسفہ، منطق، علم طبقات الارض، علم النفس (سائیکالوجی)، علم خزائن الارض اور علم ہیئت کو روح اسلام کے تابع کیا جائے۔ اور غیر اسلامی مادی رجحانات کی پوری قوت سے تردید کر دی جائے۔

۴۔ اسکول اور مدرسہ کے ادغام کے بجائے سکول میں اسلامیات کو لازمی مضمون قرار دیا جائے۔ اور مدرسہ کے مخصوص مقاصد کے پیش نظر اسے بدستور سابق آزاد ماحول فراہم کیا جائے۔ البتہ نئے علوم و مضامین کی شمولیت کے لئے فضا سازگار بنائی جائے اور مدارس دینیہ کو اپنے مقاصد عالیہ کے حصول میں ہر ممکن امداد فراہم کی جائے۔ نیز درس نظامیہ کے فارغ التحصیل علماء کرام ایم اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے مساوی درجہ دیا جائے۔

۵۔ مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں صوبوں میں عربی زبان کو لازمی قرار دے کر اسے

مملکت کی سرکاری زبان کا درجہ عطا کیا جائے۔ مشرقی پاکستان میں عربی اور بنگلہ کے علاوہ اردو کو اختیاری اور مغربی پاکستان میں عربی اور اردو کے علاوہ بنگلہ کو اختیاری مضمون قرار دیا جائے۔ عربی کو سرکاری زبان قرار دینے کے لئے دلائل عشرہ پر خصوصی توجہ مبذول کی جائے۔

۶۔ تعلیم بالغاں کی سکیم کو بجائے میٹرک پاس طالبات اور ایف اے پاس طلبہ کے ذریعے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے ملت کے دیگر افراد کو جن میں ریٹائرڈ سرکاری ملازمین علماء اور قومی کارکن شامل ہیں، اس منصوبہ کے لئے تیار کیا جائے۔ طلبہ اور طالبات کو اس مہم میں استعمال کرنا اخلاقی مفاسد اور معاشرتی اختلال کا باعث بنے گا جو روح ملی کو غارت کر دے گا۔

۷۔ مخلوط تعلیم اسلامی اخلاق اور شرعی قوانین کے سراسر منافی ہے۔ اسے کسی مرحلہ پر بھی روا نہ رکھا جائے۔ بلکہ پرائمری سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک مستورات کے لئے الگ تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں۔ جن میں سارا سٹاف خواتین پروفیسروں پر مشتمل ہو اور کسی صورت میں غیر محرموں کو مداخلت کا موقع نہ دیا جائے۔

۸۔ انتظامیہ میں سرکاری مداخلت کو ختم کیا جائے اور متعلقہ اداروں کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے معتمد علیہ علماء، مفکرین اور زعما ملت کو اداروں کی انتظامیہ میں شامل کیا جائے۔ حتمی اور قطعی فیصلہ شیخ الجامعہ کا ہونا چاہیئے۔ اور وہی انتظامیہ کا صدر مقرر کیا جائے۔ امتحانات کی تنظیم اور مالیات کی پڑتال کے لئے سارے ملک میں ہمہ گیر خود مختار ادارے قائم کئے جائیں جو علماء اور مفکرین کے حلقہ سے منتخب ہوں۔

ارکان سب کمیٹی کے دستخط

(۱) فقیر قادری ابوالبرکات سیّد احمد غفرلہ، امیر و شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف پاکستان لاہور۔

(۲) فقیر عطاء محمد چشتی مدرس دارالعلوم امدادیہ مظہریہ بندیال ضلع سرگودھا۔

(۳) سیّد محمود احمد رضوی ناظم اعلیٰ دارالعلوم حزب الاحناف پاکستان لاہور۔

(۴) عبدالستار خان نیازی ایم اے سابق ایم پی اے و سابق صدر، شعبہ اسلامیات اسلامیہ کالج لاہور۔

(۵) فقیر قادری محمد اعجاز رضوی خادم الحدیث دارالعلوم جامعۂ نعمانیہ لاہور۔

(۶) فقیر محمد شریف غفرلہ، خادم جامعہ رضویہ مظہر العلوم دولت گیٹ ملتان۔

۲۱ جولائی ۱۹۶۹ء

(۷) فقیر ابوالفتح محمد اللہ بخش مدرس شمس العلوم مظہریہ رضویہ واں بھچراں، میانوالی۔

تمت بالخیر۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

باہتمام
مفتی اعجاز ولی خاں رضوی --
شیخ الجامعہ وشیخ الحدیث دارالعلوم جامعہ نعمانیہ لاہور
الامان پرنٹنگ پریس لاہور
میں طبع ہوئی

مفتی اعجاز ولی خان رضوی

شیخ الجامعہ و